زندہ مذہب

(اسلام کے زندہ مذہب ہونے کے
دلائل اور مذاہب عالم کو چیلنج)

از

سیدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

اسلام کے زندہ مذہب ہونے کا ثبوت

(حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی وہ تقریر جو حضور نے ۳۰۔ ستمبر ۱۹۱۷ء
کو جماعت احمدیہ شملہ کے سالانہ جلسہ پر بمقام میسانک ہال فرمائی۔)

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ (یونس : ۵۸)

خدا کے متعلق کلام کرنے کا طریق

مذہب ایک ایسی معزز و مکرم شئے ہے کہ اس کے ذکر میں انسان کو بہت محتاط ہونا چاہئے۔ اگر کوئی خدا ہے اور خدا کے ہونے کے بعد کسی مذہب کی ضرورت ہے اور وہ لوگ جو عقل و سمجھ رکھتے ہیں اور انکو اس بات کے تسلیم کرنے کے سوا چارہ نہیں کہ خدا ہے اور ضرور ہے تو پھر اس بات کے ماننے میں بھی کسی کو عذر نہیں ہو سکتا خواہ وہ عیسائی ہو یا موسائی' سناتنی ہو یا آریہ' مسلمان ہو یا سکھ کہ اللہ تعالیٰ کے متعلق جو کلام ہونا چاہئے اس میں سنجیدگی' خوف' ادب کو خاص طور پر مدِّنظر رکھنا چاہئے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ معمولی سے معمولی انسانوں کے سامنے جو رتبہ میں ان سے کسی قدر ہی بڑے ہوتے ہیں کلام کرتے وقت ادب اور تہذیب کو مدِّنظر رکھتے ہیں۔ ڈپٹی کمشنر ایک ضلع کا افسر ہوتا ہے اس کے پاس جو لوگ جاتے ہیں تو کلام کرنے میں خاص احتیاط اور سنجیدگی پیدا کرتے ہیں اور اس کے بالا افسروں کے سامنے تو اور بھی متانت سے گفتگو کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور کسی کی مجال نہیں ہوتی کہ گورنمنٹ کے کسی چھوٹے سے چھوٹے

افسر کے سامنے بھی بیہودگی برتے اور بے ادبی کو کام میں لائے بلکہ بہت احتیاط کی جاتی ہے۔ اور یہ بات ہم ادنیٰ سے ادنیٰ قوم کے انسان میں بھی دیکھتے ہیں کہ افسر کے سامنے ادب اور تہذیب کی علامات اور آثار ظاہر کرتا ہے۔ پس جب یہ بات ہے تو پھر وہ خدا جو بادشاہوں کا بادشاہ اور شہنشاہوں کا شہنشاہ ہے انسان کا خالق اور رازق ہے اور جس سے نہ صرف اسی دنیا میں تعلق ضروری ہے بلکہ مرنے کے بعد بھی واسطہ پڑتا ہے اس کے متعلق کلام ہو اور اس میں سنجیدگی و متانت نہ ہو ہنسی اور مخول سے بات کی جائے کیسے غضب کی بات ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ انسان کو خدا تعالیٰ کی ہستی کا یقین ہو اور پھر وہ ایسا کرے ہرگز نہیں۔ مگر بہت لوگ ہیں جو چھوٹے چھوٹے افسروں کا تو بڑا ادب کرتے ہیں مگر خدا تعالیٰ کے معاملہ میں ادب کو بالائے طاق رکھ دیتے ہیں۔ بحثیں ہوتی ہیں مباحثے کئے جاتے ہیں مگر ان سے یہ مدِّنظر نہیں ہوتا کہ تحقیق حق کی جائے۔ صداقت کو حاصل کیا جائے بلکہ محض وقت گزارنا اور خوش طبعی اور مذاق کا سامان مہیا کرنا ہوتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بہت لوگ ان کے بحث مباحثہ کو سنتے ہیں مگر کچھ فائدہ نہیں اٹھاتے۔ ان کے کان میں تو آواز پڑتی ہے مگر دل میں داخل نہیں ہوتی۔ اس لئے یہ طریق نہایت لغو اور بیہودہ ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے متعلق جو گفتگو ہو وہ ایسی ہونی چاہئے کہ جس میں حق کا حاصل کرنا مدنظر ہو اور باطل کو ترک کرنے کا ارادہ ہو۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خدا کا خوف پایا جاتا ہو۔ قرآن کریم میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ (الانفال: ۳) کہ سوائے ان کے اور کوئی خدا کو ماننے والا نہیں کہ جن کے سامنے جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل خوف سے بھر جائیں، رونگٹے کھڑے ہو جائیں اور دل ڈر جائیں کہ ہمارے سامنے ایک ایسے عظیم الشان شہنشاہ کا ذکر آیا ہے جس کے متعلق ذرا سی بے احتیاطی کرنے سے بھی تباہی و بربادی کے کنویں میں گر جائیں گے۔ واقعہ میں خدا کے ذکر کے وقت انسان کے دل میں ایسا ہی خوف اور ڈر پیدا ہونا چاہئے۔ دیکھئے ایک انسان شیر یا سانپ سے نہیں کھیلتا کیونکہ وہ ڈرتا ہے کہ مارا جاؤں گا۔ اسی طرح ایک افسر سے ماتحت کبھی بے احتیاطی اور بدتہذیبی نہیں کرتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ نقصان اٹھاؤں گا۔ اسی طرح اگر خدا کی ہستی کا پورا پورا یقین ہو تو پھر کیا وجہ ہے کہ اس کے ذکر سے انسان کے دل میں ڈر نہ پیدا ہو۔

پس میں ان لوگوں کو جو یہاں موجود ہیں نصیحت کرتا ہوں کہ ایسا انسان جو خدا کے متعلق

کچھ سنانے کے لئے کھڑا ہو۔ اس کی نسبت صرف یہ دیکھنا کہ کیسا بول سکتا ہے یا ایک عجوبہ کے طور پر لیکچر سننا ہلاکت کی طرف لے جاتا ہے۔ اس لئے اپنے دل میں خوف خدا پیدا کر کے سننا اور صداقت کو قبول کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

زندہ اور مردہ مذہب کی تعریف

اس کے بعد میں اصل مضمون بیان کرتا ہوں۔ میرا مضمون ہے "زندہ مذہب" اس بات سے تو کسی کو انکار نہیں کہ زندگیاں مختلف ہوتی ہیں۔ ایک انسان کی زندگی ہوتی ہے۔ ایک درخت کی زندگی۔ انسان کی زندگی کو درخت کی زندگی پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ اور درخت کی زندگی کو انسان کی زندگی کی طرح نہیں سمجھا جا سکتا۔ اسی طرح زندہ مذہب سے یہ مراد نہیں لی جا سکتی کہ وہ انسان کی طرح چلتا پھرتا بولتا چالتا کھاتا پیتا ہے۔ بلکہ جس طرح ہر چیز کی زندگی کا الگ مفہوم ہوتا ہے اسی طرح مذہب کی زندگی بھی ایک خاص مفہوم رکھتی ہے۔

ہماری زبان میں یہ محاورہ ہے کہ کوئی چیز جس غرض کے لئے بنائی گئی ہو جب تک اسے پورا کرے اس وقت تک وہ زندہ کہی جاتی ہے۔ اور جب نہ کرے اس وقت مردہ۔ اس لئے کوئی مذہب جب تک اپنی غرض اور غایت کو پورا کرتا ہے اس وقت تک زندہ کہا جا سکتا ہے اور جب نہ کرے مردہ۔ لیکن کسی مذہب کے متعلق زندہ اور مردہ کا فیصلہ کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ دیکھیں مذہب کی غرض کیا ہے؟ اسے کیوں اختیار کیا جاتا ہے؟ پس اگر جس غرض کے لئے کسی مذہب کو اختیار کیا جاتا ہے وہ پوری ہو جائے تو مذہب زندہ ہے اور اگر نہ پوری ہو تو مردہ۔

مذہب کی غرض

عربی زبان کے لحاظ سے تو اس کا فیصلہ نہایت آسان ہے کیونکہ اس میں مذہب کے معنی طریق اور راستہ کے ہیں۔ اور جس طرح دنیاوی رستے ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچانے کے لئے ہوتے ہیں اسی طرح وہ راستہ جو گمراہی اور بے دینی سے نکال کر خدا تک پہنچا دے اس کو مذہب کہتے ہیں۔ تو مذہب کے معنی راستہ کے ہیں اور اس کو اختیار کرنے کی غرض یہ ہے کہ انسان کو ظلمتوں، تاریکیوں، بدکاریوں اور گناہوں سے نکال کر خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کرا دے۔ اس کی رضامندی حاصل ہو جائے۔ پس یہی ایک ایسی بات ہے کہ جس کی وجہ سے کسی مذہب کو قبول کیا جا سکتا ہے۔ ورنہ کیا ضرورت ہے کہ انسان اپنے اوپر کئی قسم کی پابندیاں ڈال لے۔ ایک مسلمان ہے اسے پانچ وقت نماز پڑھنی

پڑتی ہے۔ سردیوں میں ٹھنڈے پانی سے وضو کیا جاتا ہے۔ وقت خرچ ہوتا ہے۔ رات کو نیند ترک کر کے عبادت کی جاتی ہے۔ اسی طرح ہندو' عیسائی' یہودی وغیرہ لوگ عبادات کرتے اور اپنے اوپر مذہبی قیود عائد کر لیتے ہیں۔ لیکن بلا کسی وجہ اور ضرورت کے کیا ضرورت ہے کہ لوگ خاص پابندیوں کے مقید ہوں اور ہر ایک کام اور ہر ایک چیز جس کو ان کا جی چاہے حاصل نہ کریں۔ اس کی یہی وجہ ہے کہ ہر مذہب کا انسان سمجھتا ہے کہ اگر میں اپنے مذہبی اصولوں پر چلوں گا تو خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا ہو جائے گا۔ اور اگر نہ چلوں گا تو خدا سے دور ہو جاؤں گا اور اس کی عنایات سے محروم رہوں گا۔ بہت دفعہ انسان چاہتا ہے کہ ایک چیز ناجائز طور پر حاصل کر لے۔ مگر چونکہ جانتا ہے کہ اول تو اس کا خمیازہ اسی دنیا میں اٹھالوں گا۔ اور اگر بچ رہا تو خدا ضرور سزا دے گا اور اپنے سے دور کر دے گا۔ اس وجہ سے وہ باز رہتا ہے۔ اسی طرح اور کئی باتیں ہیں جن کو انسان صرف اس لئے اختیار نہیں کرتا کہ خدا ناراض ہو جائے گا اور نتیجہ خطرناک نکلے گا۔ تو مذہب کی غرض یہ ہے کہ خدا کی محبت پیدا ہو' خدا کی رضا حاصل ہو اور انسان کو تاریکی اور ظلمت سے نکالے اور روشنی کی طرف لے جائے۔ پس زندہ مذہب وہی ہو گا جس میں یہ باتیں پائی جائیں۔ اور جس میں یہ باتیں پائی جائیں گی وہی مذہب قابل قبول ہو گا۔ کیوں؟ اس لئے کہ مذہب کو انہیں اغراض کے حاصل کرنے کے لئے قبول کیا جاتا ہے۔ رسم اور بناوٹ کے طور پر اختیار نہیں کیا جاتا۔ پس جس فائدہ کے لئے مذہب قبول کیا جاتا ہے جس میں وہ حاصل ہو وہی زندہ مذہب ہے اور باقی سب مردہ۔ اور اسی غرض اور فائدہ کو مدِّنظر رکھ کر وہ مذہب قبول کرنا چاہئے۔ جب وہ حاصل ہو جائے تو اس کے علاوہ اور کسی مذہب کی طرف دیکھنے کی بھی ضرورت نہیں۔

غرض کا پورا کرنا

انسان کا قاعدہ ہے کہ جس غرض کے لئے کوئی چیز حاصل کرے وہ اگر اس سے پوری ہو جائے تو پھر دوسری کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ مثلاً ایک انسان کو سردی سے بچنے کے لئے کپڑے کی ضرورت ہے۔ وہ کپڑا خریدنے کے لئے جب بازار جائے گا تو سب سے پہلے یہ دیکھے گا کہ کس کپڑے سے میری غرض پوری ہو سکتی ہے اور جو کپڑا سردی سے بچانے والا ہو گا اسے خرید لے گا۔ یہ نہیں کرے گا کہ ایک نہایت خوبصورت ریشمی کپڑے کو جو کہ بہت ہی باریک ہو سردی سے بچانے کی غرض سے خرید لے۔ ہاں یہ ہو گا کہ اگر اسے ایسا کپڑا جو خوبصورت بھی ہو اور سردی سے بھی بچائے مل جائے تو وہ اسے اس کپڑے پر

جو صرف سردی سے بچائے اور خوبصورت نہ ہو ترجیح دے گا۔ تو مذہب کے قبول کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ دیکھا جائے کہ کونسا مذہب' مذہب کی اصل غرض پوری کرتا ہے اور جو پوری کرے اسے اختیار کیا جائے گا۔ ہاں اگر دو تین مذاہب اس غرض کو پورا کریں تو پھر دیکھیں گے کہ اور باتیں کس مذہب میں دوسرے مذاہب سے اچھی اور عمدہ ہیں۔ لیکن اگر ایک ہی ایسا مذہب ہو جو اصل غرض کو پوری کرے تو پھر سوائے اس کے چارہ نہیں ہو گا کہ اسی کو اختیار کیا جائے اور باقیوں کو ترک کر دیا جائے۔ کیونکہ عقلمند اور دانا انسان کا کام زندہ مذہب اختیار کرنا ہے نہ کہ مردہ کو۔ اور ایک ایسا انسان جو کسی جگہ کا راستہ نہ جانتا ہو اور تھک کر چور ہو گیا ہو اسے کسی ایسی سواری کی ضرورت ہو گی جو اسے منزل مقصود پر پہنچا دے۔ یہ نہیں ہو گا کہ وہ کوئی مردہ گھوڑا یا گدھا وہاں پہنچنے کے لئے لے لے۔ کیونکہ وہ کہے گا کہ مردہ سواری تو میرے لئے اور زیادہ بوجھ اور تکلیف کا باعث ہو گی نہ کہ آرام دے گی۔ تو کوئی ایسا مذہب جو مذہب کی اصل غرض کو پورا نہیں کرتا۔ اس کا اختیار کرنا نہ کرنے سے بدتر ہے۔ کیونکہ وہ تو اور زیادہ گمراہی کا باعث ہو گا۔ اس لئے کسی مذہب کے قبول کرنے کے لئے ضروری ہے کہ دیکھا جائے کہ وہ اصل غرض کو پورا کرتا ہے یا نہیں۔ ہمارا مقصد مذہب کے اختیار کرنے سے خدا تعالیٰ تک پہنچنا اور بدیوں اور گناہوں سے نجات پانا ہے۔ اگر وہ حاصل ہو جاتا ہے تو ہم جان دینے کے لئے بھی تیار ہیں اور اگر وہ حاصل نہیں ہوتا تو پھر اس کے اختیار کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ پس کسی مذہب کے قبول کرنے کے لئے یہی نہیں دیکھنا چاہئے۔ کہ اس کی تعلیم ہمارے کانوں کو اچھی معلوم ہوتی ہے۔ بلکہ یہ دیکھنا چاہئے کہ فوائد کس میں حاصل ہو سکتے ہیں۔ اور کس کی تعلیم ایسی ہے جس پر ہم عمل پیرا ہو سکتے ہیں۔

مذہب کی تحقیقات کے وقت کیا کرنا چاہئے

ہاں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ دانا انسان چونکہ لغو اور بیہودہ باتوں میں اپنا وقت ضائع نہیں کیا کرتے۔ اس لئے مذہب کی تحقیقات کرنے کے وقت عقلمند انسان کو ان باتوں میں نہیں پڑنا چاہئے جن کا اس کی غرض اور مدعا سے کوئی تعلق نہ ہو۔ بلکہ اصل مقصد اور مدعا کو پیش نظر رکھ کر ان باتوں کی طرف توجہ کرنی چاہئے جو اس سے تعلق رکھتی ہوں اور جن سے وہ حاصل ہو سکتا ہو۔ تو عقلمند انسان کو اپنے مقصد اور مدعا کو دیکھنا چاہئے۔ مثلاً ایک پیاسا انسان ہو۔ اور وہ کسی سے پوچھے کہ مجھے بتایا جائے کہ پانی کہاں سے ملے گا جس سے میں پیاس بجھاؤں

گا۔ تو اسے کہا جائے کہ امریکہ کے فلاں ملک میں ایک نہایت ٹھنڈے اور عمدہ پانی کا چشمہ ہے اس سے پانی پینے سے فوراً پیاس دور ہو جاتی ہے اور بڑا سرور حاصل ہوتا ہے۔ تو وہ ان سب باتوں کو لغو اور بیہودہ سمجھے گا۔ اور کہے گا کہ مجھے اس سے کیا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔ میں تو یہاں پیاسا مر رہا ہوں اور آپ مجھے امریکہ کے کسی ملک کے چشمہ کا پتہ بتا رہے ہیں۔ مجھے تو یہاں کسی جگہ پانی کا پتہ بتانا چاہئے خواہ وہ کیسا ہی بدمزہ اور گرم کیوں نہ ہو تاکہ میں اپنی پیاس بجھا سکوں۔ ورنہ مجھے ان خیالی باتوں سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔ جن کو میں عمل میں نہیں لا سکتا۔ یہی مثال مذہب کی ہے۔ ایک متلاشی حق کو کسی مذہب کی ایسی تعلیم بتائی جائے جو خواہ بظاہر کیسی ہی اعلیٰ اور اچھی کیوں نہ معلوم ہو لیکن وہ اسے اختیار نہ کر سکے۔ یا اس پر عمل کرنا اس کی طاقت میں نہ ہو۔ تو اس کے لئے بے فائدہ اور لاحاصل ہو گی۔ اور وہ اس کی طرف کبھی توجہ نہیں کرے گا۔ پس کسی مذہب کے اختیار کرنے کے لئے یہ دیکھنا بھی نہایت ضروری ہے کہ آیا اس میں کوئی ایسی باتیں تو نہیں پائی جاتیں جو ناقابل عمل ہیں اور جن کو عمل میں لانا ناممکن ہے۔ اگر کسی مذہب میں ایسی باتیں پائی جائیں تو اسے بھی زندہ نہیں کہا جائے گا بلکہ مردہ ہی کہا جائے گا۔ کیونکہ وہ ایسی باتیں بتاتا ہے جن پر عمل نہ ہو سکنے کی وجہ سے مذہب کی اصل غرض پوری نہیں ہو سکتی۔

مسیحی مذہب کی تعلیم

اب ہم دنیا کے بڑے بڑے مذاہب کو دیکھتے ہیں کہ ان کی کیا تعلیم ہے۔ اور اس پر عمل بھی ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اگر ہو سکتا ہے تو فبہا ورنہ وہ اس قابل نہیں کہ کوئی دانا انسان انہیں قبول کرے۔ اس بات کے لئے پہلے ہم مسیحی مذہب کو لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایسی تعلیم پیش کرتا ہے کہ جس پر ہم عمل نہیں کر سکتے۔ گو بظاہر وہ بات بہت خوبصورت معلوم دیتی ہے۔ مگر کس کام کی۔ جب کہ اس کے ذریعہ ہماری غرض پوری نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ انجیل میں حضرت مسیحؑ کی طرف منسوب کر کے لکھا ہوا ہے کہ

"شریر کا مقابلہ نہ کرنا۔ بلکہ جو کوئی تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے۔ دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے۔ اور اگر کوئی تجھ پر نالش کر کے تیرا کُرتہ لینا چاہے تو چوغہ بھی اسے لے لینے دے اور جو کوئی تجھے ایک کوس بیگار میں لے جائے اس کے ساتھ دو کوس چلا جا۔" [۵]

یہ تعلیم بظاہر بڑی عمدہ اور خوبصورت معلوم ہوتی ہے۔ اور جب ایک شخص سٹیج پر کھڑا ہو

[۵] متی باب ۵ آیت ۳۹ تا ۴۱۔ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی پنجاب آگزلیری لاہور مطبوعہ ۱۹۰۸ء

کر اس کی تفصیل بیان کرتا ہو گا تو قطع نظر اس کے کہ اس پر عمل بھی ہو سکتا ہے یا نہیں سامعین اس پر عش عش کرتے ہوں گے۔ اور بہت ہی اچھی تعلیم کہتے ہوں گے۔ لیکن کیا کوئی ہے جو اس پر عمل کرکے دکھا بھی سکے۔ جس زمانہ میں یہ تعلیم دی گئی تھی۔ اس وقت بے شک مفید ہو گی۔ مگر آج تو اس پر عمل کرکے کوئی قوم زندہ ہی نہیں رہ سکتی۔ کوئی انسان اپنے مال و دولت، عزت و آبرو کو نہیں بچا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ مسیحی لوگ بھی اس تعلیم پر عمل نہیں کرتے۔ بلکہ اسی تعلیم پر عمل کرتے ہیں جو انتقام لینے کو روا رکھتی ہے۔ چنانچہ میں نے مصر کے ایک اخبار میں پڑھا تھا کہ ایک پادری بازار میں کھڑا لیکچر دیتا ہؤا آنحضرت ﷺ کی سخت ہتک کر رہا تھا کہ ایک مسلمان نے اٹھ کر اس کے منہ پر تھپڑ دے مارا۔ پادری آگے سے مقابلہ کرنے کے لئے کھڑا ہؤا تو اس نے کہا۔ آپ یہ کیا کرنے لگے ہیں۔ دوسری گال بھی آگے کیجئے تا تمہاری تعلیم پر پورا عمل کروں۔ اور اس پر بھی تھپڑ ماروں۔ پادری صاحب نے کہا کہ اس وقت میں تمہاری ہی تعلیم پر عمل کروں گا اپنی پر نہیں کراؤں گا۔

تو گو عیسائیت کی یہ تعلیم اچھی نظر آئے مگر سوال یہ ہے کہ اس کا ہمیں فائدہ کیا؟ تعلیم تو وہی ہونی چاہئے جو کوئی فائدہ بھی پہنچا سکے۔ یہ تو ایسی ہی بات ہے کہ ایک گاڑی نہایت خوبصورت اور عمدہ بنی ہوئی ہو مگر اتنی اونچی ہو کہ کوئی انسان اس پر چڑھ ہی نہ سکے۔ جس طرح وہ گاڑی کسی کام کی نہیں ہے اسی طرح یہ تعلیم بھی بے فائدہ ہے۔ کیا اس سے ہماری روحانیت کو کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ یا کیا اس سے ہمارا تعلق خدا تعالیٰ سے ہو سکتا ہے۔ یا کیا اس سے ہم گناہوں اور بدیوں سے بچ سکتے ہیں۔ یا کیا اس سے ہم ظلمتوں اور تاریکیوں سے نکل سکتے ہیں۔ اگر نہیں تو اس کا فائدہ کیا۔ اور فائدہ ہو کس طرح جب کہ دنیا اس پر عمل ہی نہیں کر سکتی۔ چنانچہ اب موجودہ جنگ کے دوران میں ہی یورپ میں لوگوں نے مضمون لکھے ہیں کہ ہمیں بتایا جائے کہ انجیل کی اس تعلیم پر کس طرح عمل کیا جا سکتا ہے۔ کیا جرمنی نے جب بیلجئم پر حملہ کیا تھا تو اسے فرانس بھی دے دیا جاتا۔ اگر نہیں تو ثابت ہو گیا کہ اس تعلیم پر عمل ہی نہیں کیا جا سکتا اور اگر کیا جائے تو ساری دنیا تباہ و برباد ہو جائے۔

ایک اور مذہب کی ناقابل عمل تعلیم

پس جس طرح انجیل کی یہ تعلیم بظاہر تو عمدہ نظر آتی ہے مگر اس پر عمل نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح ہمارے مقابلہ میں ایک اور مذہب ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ اس میں بھی ایسی تعلیم پائی جاتی ہے

جس پر عمل نہیں ہو سکتا۔ مثلاً اس میں مردہ جلانے کا جو طریق بتایا گیا ہے اس پر عمل نہیں ہو سکتا۔ وہ کہتا ہے کہ جس قدر مردہ کا وزن ہو اسی قدر مقدار میں گھی اس کے ساتھ جلانا چاہئے۔ یعنی اگر کوئی ڈھائی تین من کا مردہ ہو تو اتنا ہی گھی اس کے اوپر ڈال کر جلانا چاہئے۔ اس کے علاوہ صندل اور دیگر کئی ایک قیمتی چیزوں کو ساتھ جلانے کا حکم ہے۔ مگر ہر ایک انسان اس پر کہاں عمل کر سکتا ہے۔ غریبوں اور مفلسوں کے لئے تو اس پر عمل کرنا ناممکن ہے۔ اور ہو نہیں سکتا کہ وہ اپنے مردہ کو اس طریق سے جلا سکیں۔ حالانکہ بتایا جاتا ہے کہ یہ وید کا حکم ہے جس پر عمل کرنا ہر ایک کے لئے ضروری ہے۔ مگر دنیا میں تو غریب بھی بستے ہیں اور امیر بھی بلکہ غریبوں کی تعداد زیادہ ہے۔ لیکن غریب تو اس پر عمل نہیں کر سکتے۔ پھر کیا مذہب صرف امیروں کے لئے ہے۔ اگر صرف امیروں کے لئے ہے تو بیچارے غریب کہاں جائیں۔ لیکن زندہ مذہب تو ایسا ہونا چاہئے کہ جس پر سب امیر و غریب یکساں طور پر عمل کر سکیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس مذہب والوں کا کثیر حصہ اس پر عمل نہیں کر سکتا۔ اس لئے یہ بھی قابل قبول نہیں ہے۔ اسی طرح اس مذہب میں ہون کی جو عبادت قرار دی گئی ہیں۔ ایسے طریق بتائے گئے ہیں کہ ایک ایسا شخص جو چار پانچ آنے بمشکل روزانہ کماتا ہے وہ ان پر ہرگز عمل نہیں کر سکتا۔ اور اگر کرے تو پھر اس کے پاس کھانے پینے کے لئے کچھ نہیں رہے گا۔ تو کسی مذہب کے وہی احکام قابل قبول ہو سکتے ہیں جس پر عمل کیا جا سکے۔ ورنہ یوں وہ خواہ کیسے ہی اچھے اور بھلے معلوم دیں کسی کام کے نہیں ہیں۔ یہ تو ہم مان لیں گے کہ تپسیا سے یہ فائدے ہوتے ہیں۔ اور یہ بھی اقرار کر لیں گے کہ ہون سے ہوا صاف ہوتی ہے یا بادل آتے ہیں۔ اور یہ بھی ہم یقین کر لیں گے کہ کشمیر میں جو بارشیں ہوتی ہیں وہ اسی کانگڑی کی وجہ سے ہوتی ہیں جو وہاں جلائی جاتی ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ اس پر اس مذہب کے کتنے لوگ ہیں جو عمل کرتے ہیں یا کر سکتے ہیں۔ اگر وہ عمل ہی نہیں کر سکتے تو خواہ بظاہر وہ تعلیم کیسی ہی خوشنما نظر آئے اور اس کے کیسے ہی فوائد بتائے جائیں ہمارے لئے اس کا کیا فائدہ؟ ہمیں تو اس مذہب کی ضرورت ہے جو ہمارے کام آئے اور ہم اس کی تعلیم پر عمل کر کے فائدہ حاصل کر سکیں۔ اگر یہ نہیں تو ایسا مذہب اس شگوفہ کی طرح ہے جو ایک اونچی جگہ لٹکا دیا جائے اور بچہ کو کہا جائے کہ اس کو پکڑو۔ وہ بیچارہ اس کو کہاں پکڑ سکے گا۔ اور جب پکڑ نہیں سکے گا تو اس کے لئے وہ فضول ہے۔ پس ایک ایسا مذہب جس کے احکام پر ہم عمل نہیں کر سکتے وہ خدا کی طرف سے نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ممکن نہیں کہ خدا اپنے

بندوں کو ایسی تعلیم دے جس پر وہ عمل نہ کر سکیں اور جو ان کی طاقت اور ہمت سے بڑھ کر ہو۔ دیکھئے ایک انجینئر مکان تعمیر کراتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ اس کی دیواریں کتنی مضبوط اور کس قدر بوجھ سہار سکتی ہیں اس لئے وہ کبھی ایسا نہیں کرے گا کہ اتنے وزنی گاڈر ان پر رکھ دے جن کا بوجھ نہ سہار سکیں اور گر پڑیں۔ پس جب ایک انجینئر ایسا نہیں کرتا تو خدا تعالیٰ جو انسان کی طاقت اور ہمت کو خوب جانتا ہے وہ کہاں ایسا کر سکتا ہے کہ اس پر اس قدر بوجھ رکھ دے جسے وہ اٹھا ہی نہ سکے اور دب کر رہ جائے۔ مگر یہ مذاہب بتاتے ہیں کہ ان میں ایسی تعلیم پائی جاتی ہے جس پر دنیا کا کثیر حصہ عمل نہیں کر سکتا بلکہ اس کے لئے عمل کرنا ناممکن ہے۔ پس یہ ثبوت ہے اس بات کا کہ یہ مذاہب خدا کی طرف سے نہیں ہیں اور جب خدا کی طرف سے نہیں ہیں تو زندہ مذہب بھی نہیں کہلا سکتے۔ بلکہ مردہ ہیں اور مردہ کو گلے ڈالنا کسی عقلمند انسان کا کام نہیں ہو سکتا۔

ایک اور طریق سے زندہ اور مردہ مذہب کی پہچان

یہ تو ایک طریق سے ثابت ہُوا کہ جن مذاہب کو اسلام کے مقابلہ میں زندہ مذہب ہونے کا دعویٰ ہے وہ زندہ نہیں بلکہ مردہ ہیں اب ان کے مردہ ثابت کرنے کا ایک دوسرا طریق ہے۔ اور وہ یہ کہ ایک مذہب جو بجائے خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کرانے اور اس سے قریب کرنے کے اس سے دور کر دے وہ بھی زندہ مذہب نہیں ہو سکتا۔ اس کے متعلق بھی جب ہم دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے سوا باقی سب مذاہب بعض ایسی تعلیمیں رکھتے ہیں کہ جن پر عمل کرنے کا یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ مثلاً عیسائیت میں بتلایا گیا ہے کہ خدا کسی پر رحم نہیں کر سکتا اور نہ ہی کسی کے گناہ معاف کر سکتا ہے خواہ وہ کتنی ہی آہ و زاری کرے اور آئندہ گناہوں سے بچنے کا پورا پورا یقین دلائے۔ اس عقیدہ کی وجہ سے پھر یہ بات بنانی پڑی کہ خدا نے اپنے اکلوتے بیٹے کو لوگوں کے گناہوں کے عوض قربان کر دیا اور اس طرح انہیں نجات دی۔ مگر یہ عقیدہ رکھ کر کوئی انسان گناہ سے نہیں بچ سکتا کیونکہ جب وہ یہ دیکھے گا کہ خدا میں اتنی بھی طاقت نہیں ہے کہ میرے گناہ بخش دے اور وہ مجھ پر باوجود میری سچی توبہ اور عاجزی کے اتنا بھی رحم نہیں کر سکتا کہ میری گذشتہ برائیوں کو ڈھانپ دے بلکہ سزا ہی دے گا تو پھر میرے لئے سوائے اس کے اور کیا چارہ ہے کہ جو جی چاہے کرتا رہوں۔ اور جہاں پہلے گناہوں کی سزا پاؤں وہاں ان کی بھی پالوں۔ پھر جب اسے یہ بتایا جائے گا کہ انسانوں کو

نجات دینے کے لئے خدا نے ایک بے گناہ اور معصوم انسان کو قتل کر دیا۔ تو غور کرو کہ اس سے اس کے دل پر کیا اثر ہو گا اور خدا کی طرف سے اس کے دل میں کس قدر نفرت پیدا ہو جائے گی۔

پین ایک انگریز گذرا ہے جس نے فری تھنکر مذہب نکالا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ میں ایک دفعہ اپنے باپ کے ساتھ گرجا گیا۔ اور پادری صاحب سے سنا کہ خدا نے اپنے اکلوتے بیٹے کو ہماری خاطر قربان کر دیا۔ میں بھی چونکہ اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا تھا مجھے پادری صاحب کی یہ بات سن کر سخت نفرت اور خوف پیدا ہوا اور میں نے خیال کیا کہ اگر ایسا ہی سلوک مجھ سے میرا باپ کرے پھر کیا ہو۔ یہ خیال میرے دل میں ایسا بیٹھا کہ میں گرجا سے بجائے گھر جانے کے بھاگ کھڑا ہوا۔ اور امریکہ چلا آیا۔ واقعہ میں ایسے خدا کو کوئی انسان ماننے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا۔ جو اس قدر مجبور اور اتنا ظالمانہ فعل کرے۔ کیونکہ جب ہم انسان ہو کر دوسروں پر رحم کرتے ان کی غلطیوں کو معاف کرتے ان کو انعام دیتے اور اپنے قصور واروں کے قصور بخشتے ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ خدا اپنے گنہگار بندوں کو نہ بخشے اور اس کے لئے اسے اپنے اکلوتے بیٹے کو قربان کرنا پڑے۔

اس بھیانک نظارہ کو اپنے سامنے رکھئے کہ ایک انسان ہے وہ اقرار کرتا ہے کہ مجھ سے فلاں گناہ ہو گیا۔ اس کے بعد اسے پشیمانی ہوئی مگر وہ جانتا ہے کہ خواہ میں کتنا ہی رووں چیخوں اور خدا کے حضور ماتھا رگڑوں خدا اس گناہ کو معاف نہیں کرے گا اور میں اس کی سزا سے کسی صورت میں بھی نہیں بچ سکتا۔ اس سے اس کے دل میں خدا سے کتنی نفرت پیدا ہو گی۔

مگر اسلام کہتا ہے۔ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَ اَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (المائدۃ: ۴۰) کہ جو گناہ کرنے کے بعد توبہ کرتا ہے اور صرف توبہ ہی نہیں کرتا بلکہ اصلاح کے لئے بھی کوشش کرتا ہے اس کے گناہ بخشے جا سکتے ہیں کیونکہ اللہ بخشنے والا رحیم ہے۔ یہ ہے وہ تعلیم جو انسان کو اپنی اصلاح کا موقع دیتی اور اسے نیکیاں کرنے کی طرف متوجہ کرتی ہے۔

پھر اسلام کے مقابلہ میں ایک اور مذہب ہے جو اپنے زندہ ہونے کا دعویدار ہے۔ مگر وہ بھی کہتا ہے کہ پرمیشور کسی انسان کو ہمیشہ کی نجات نہیں دیتا بلکہ ایک مدت کے بعد بلاوجہ جونوں کے چکر میں ڈال دیتا ہے۔ اور اس کی دلیل یہ دی جاتی ہے کہ چونکہ انسان کے اعمال محدود

ہوتے ہیں اور محدود اعمال کا بدلہ بھی محدود ہونا چاہئے نہ کہ غیر محدود۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ انسان کو محدود اعمال کرنے پر مجبور کس نے کیا ہے۔ اسی نے جس نے اسے مار دیا اور زندہ نہ رہنے دیا اور وہ پر میشور ہے۔ اگر وہ انسان کو زندہ رہنے دیتا تو وہ اور عمل کرتا۔ پس جب خدا کے فعل سے انسان کے اعمال محدود رہتے ہیں تو پھر یہ کیوں کہا جاتا ہے کہ چونکہ تم نے اعمال محدود کئے ہیں اس لئے نجات بھی محدود وقت کے لئے دی جاتی ہے۔ کیا یہ ظلم نہیں ہے۔ ضرور ظلم ہے۔ کیونکہ انسان کو خود ہی تو مارا جاتا اور عمل کرنے سے روک دیا جاتا ہے۔ مگر پھر اس کی سزا اس پر ڈالی جاتی ہے۔ اور بیچارے کو بلاوجہ جونوں کے چکر میں ڈالنے کے لئے مجبور کیا جاتا ہے۔ جب ایک عقلمند انسان اس پر غور کرے گا کہ انسان کو بلاوجہ اور بغیر اس کے قصور کے مکتی خانہ سے نکال کر تکالیف اور مصائب میں ڈال دیا جاتا ہے تو وہ کہے گا کہ عجیب خدا ہے جو خود ہی ہمیں نیک اعمال کے کرنے سے مار کر روک دیتا ہے اور پھر خود ہی کہتا ہے کہ چونکہ تم نے محدود اعمال کئے ہیں اس لئے محدود نجات دی جاتی ہے اور اس کے بعد پھر تمہیں جونوں کے چکر میں گردش کرنی ہے۔ کیا اس عقیدہ سے اس کے دل میں نفرت نہیں پیدا ہوگی۔ ضرور ہوگی۔ پھر اسی طرح جب وہ یہ خیال کرے گا کہ مجھ پر پر میشور نے بلا کسی وجہ اور سبب کے قبضہ کر لیا ہے اور اپنے قواعد مجھ پر جاری کر دیئے ہیں تو وہ کہے گا کہ اس کا کیا حق تھا کہ ایسا کرتا۔ کیونکہ روح اور مادہ خود بخود موجود تھے اور ان کے ملنے سے میں بن گیا ہوں۔ ایسی حالت میں پر میشور کا مجھ پر حکومت جتانا صریح ظلم نہیں تو اور کیا ہے۔ ظالم اسی کو کہتے ہیں جو کمزوروں کو دبا لے۔ اسی طرح پر میشور نے کیا ہے۔ روح اور مادہ کمزور تھے ان پر اس نے قبضہ کر کے ہمیں تکلیف میں ڈال دیا ہے۔ اگر روح اور مادہ کو اپنی اصلی حالت میں رہنے دیا جاتا۔ تو نہ ہم بنتے اور نہ ان تکالیف اور مشکلات میں پڑتے۔ اور نہ جونوں کے چکر میں گردش کرتے۔

یہ اور اسی قسم کی اور باتیں ایسی ہیں کہ جو خدا تعالیٰ سے نفرت پیدا کرانے کا موجب بنتی ہیں۔ اس لئے جس مذہب میں یہ پائی جائیں وہ زندہ مذہب نہیں ہو سکتا۔

خدا کا قرب حاصل کرانے والا مذہب

اب ہم دیکھتے ہیں کہ وہ کون سا مذہب ہے جو خدا سے ملاتا اس کی محبت اور قرب حاصل کراتا، اس کے فضلوں کا وارث بناتا، اور برائیوں، گناہوں سے بچاتا ہے۔ اس کے لئے ہمیں ان بیہودہ اور لغو باتوں میں نہیں پڑنا چاہئے جن کا ہمارے مقصد اور مدعا سے کوئی تعلق نہیں

ہے۔ دیکھئے اگر ہمیں شملہ سے کالکا جانے کی ضرورت ہو تو ہم سٹیشن پر جا کر یہ تلاش کریں گے کہ کالکا جانے والی کون سی گاڑی ہے۔ نہ یہ کہ ہم وہاں یہ دریافت کرنے بیٹھ جائیں گے کہ اس گاڑی کو کس نے بنایا ہے۔ اس کی لکڑی کہاں سے منگوائی گئی ہے اور کیا لکڑی ہے اور اس پر کیا خرچ آیا ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ اس کی ہمیں ضرورت نہیں ہے۔ اور ہماری غرض اور مقصد سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسی طرح کسی زندہ مذہب کی تلاش کرتے ہوئے اس قسم کی باتوں میں پڑنا کہ دنیا کب بنی' کیوں بنی' کس چیز سے بنی وغیرہ وغیرہ غلطی اور نادانی ہے۔ کیونکہ ان باتوں کے پیچھے پڑنے کی ہمیں ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی ان کا دریافت کرنا ہمیں کچھ فائدہ دے سکتا ہے۔ ہمارے اندر ایک تڑپ رکھی گئی ہے۔ ہمارے اندر ایک اضطرار پیدا کیا گیا ہے۔ ہمیں ایک درد دیا گیا ہے۔ ہم تو اس امر کا علاج چاہتے ہیں۔ ہمارے اندر خدا سے ملنے کے لئے جوش موجزن ہے۔ محبت بے چین کر رہی ہے۔ اور تڑپ بے آرام کئے دیتی ہے۔ اس لئے ہمیں تو وہ مذہب چاہئے جو خدا سے ملائے۔ اس کا قرب حاصل کرائے۔ اور اس کی خوشنودی کی نعمت عطا کرے۔ ہمیں اس سے کیا فائدہ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ دنیا ایک ارب سال سے بنی ہے یا اس سے کیا نقصان ہے کہ ۶ ہزار سال سے اس کی ابتداء ہوئی ہے۔ اسی طرح اس سے ہمیں کیا فائدہ کہ دنیا ۲۰ لاکھ دفعہ بنی ہے۔ اور اس سے کیا نقصان کہ ایک ہی دفعہ بنی ہے۔ پھر اس سے کیا فائدہ کہ تمام دنیا کے لئے شروع سے لے کر اخیر تک ایک ہی کتاب نازل ہوئی ہے یا اس سے کیا نقصان کہ نئی نئی آتی رہی ہیں۔ پھر اس سے ہمیں کیا فائدہ کہ خدا نے اپنا پہلا کلام کہاں نازل کیا۔ اور اس سے کیا نقصان کہ اس کا ہمیں علم ہی نہیں۔ ہماری تو غرض ہی یہ ہے کہ خدا مل جائے۔ جس کے حاصل کرنے کے لئے ہم پیدا کئے گئے ہیں۔ اگر یہ غرض کسی مذہب کے ذریعہ پوری ہو جائے تو پھر کسی اور چیز کی ہمیں ضرورت ہی نہیں۔ وہی زندہ مذہب ہے اور اسی کو ہمیں اختیار کرنا چاہئے۔

اسلام ایک زندہ مذہب ہے

میں نے بتایا ہے کہ مذاہب کی غرض یہ ہے کہ خدا سے ملائے۔ اس کا قرب حاصل کرائے' اس سے اتحاد کرا دے اور بدیوں اور گناہوں سے بچائے۔ جو ایسا کر دیتا ہے اسی کی ہمیں ضرورت ہے اور یہ صرف اسلام ہے اس کے سوا اور کوئی نہیں۔ چنانچہ قرآن کریم میں خدا تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ اس کے ذریعہ تمہاری بدیاں مٹائی جائیں گی۔ اور نیکیوں میں ترقی دی جائے گی خدا سے ملایا

جائے گا اور اس کے فضلوں کا وارث بنا دیا جائے گا چنانچہ فرماتا ہے۔ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْکُمْ مَّوْعِظَۃٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ وَ ھُدًی وَّ رَحْمَۃٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ۔ (یونس: ۵۸) کہ اے مؤمنو! یہ تمہارے لئے ایسی تعلیم بھیجی گئی ہے جو تمہارے دلوں سے بدیوں کو مٹا دے گی اور اعلیٰ اخلاق پیدا کرے گی۔ اس کے بعد تمہیں خدا تک پہنچنے کا راستہ دکھلائے گی اور جو اس رستہ پر چلیں گے ان کو خدا کے فضلوں کا وارث بنا دے گی۔

پس جس مذہب میں یہ باتیں حاصل ہوں وہی زندہ مذہب ہو سکتا ہے دوسرا نہیں۔ اور اسی کو قبول کرنا چاہئے۔ اور وہ صرف اسلام ہے۔ اسی کا یہ دعویٰ ہے کہ وحی کا دروازہ اب بھی کھلا ہے جس کے ذریعہ خدا اپنے بندوں کے ساتھ اپنی محبت اور پیار کا اظہار کرتا ہے اور کرتا رہے گا۔ اور ایسے انسانوں کو اپنے فضلوں کا وارث بناتا ہے اور بناتا رہے گا۔ یہی غرض مذہب کی ہے اور چونکہ اسلام اسے نہایت خوبی اور عمدگی کے ساتھ پورا کرتا ہے اس لئے اسی کو قبول کرنا چاہئے۔

کسی مذہب کے زندہ ہونے کا ثبوت

یہ آیت جو میں نے پڑھی ہے۔ یہ دعویٰ ہے کہ اسلام کی تعلیم پر عمل کرنے سے ایسا ہو جاتا ہے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ کیا واقعہ میں ایسا ہوا بھی ہے کہ اسلام کی تعلیم پر عمل کر کے انسان خدا کو پا لیتا اور اس کا مقرب بن جاتا ہے یا نہیں؟ تو معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ میں ایسا ہوتا رہا ہے اور اب بھی ہوا ہے۔ چنانچہ اس کا ثبوت یہ ہے کہ ہر صدی اور ہر زمانہ میں خدا تعالیٰ اپنے پیارے بندوں سے کلام کرتا رہا ہے۔ مگر اسلام کے سوا دوسرے مذاہب والے کہتے ہیں کہ خدا پہلے تو بندوں سے کلام کیا کرتا تھا مگر اب کسی سے نہیں کرتا۔ گویا خواہ وہ کتنی ہی کوشش کرے اب خدا سے اس کا تعلق اور اتحاد نہیں ہو سکتا اور نہ خدا اس سے بولتا ہے۔ لیکن اگر کسی مذہب کی صداقت کا یہی ثبوت ہو کہ کسی زمانہ میں خدا نے اس کے پیروؤں سے کلام کیا تھا اور اب نہیں کرتا۔ تو اس طرح تو ہر ایک مذہب والا کہہ سکتا ہے کہ ہمارا مذہب زندہ ہے اور خدا کا ہم سے ہی تعلق ہے۔ لیکن تعلق کے لئے کوئی ایسی علامت ہونی چاہئے جس سے دوسروں کو بھی یقین ہو سکے۔ مثلاً ایک شخص کسی کے دروازے پر جا کر دستک دے اور اندر سے کوئی جواب نہ آئے۔ مگر وہ کہے کہ مالک مکان اندر بیٹھا مجھ سے بڑا خوش ہو رہا ہے تو اسے کہا جائے گا کہ اس کے خوش ہونے کی کوئی علامت تو بتلاؤ۔ اندر سے آواز نہ آنا تو خوش ہونے کا نشان

نہیں ہے بلکہ ناراضگی کا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی خدا تعالیٰ کو پکارتا ہے اور بڑے درد اور محبت کے ساتھ پکارتا ہے لیکن وہ آگے سے کوئی جواب نہیں دیتا تو اسے یہ نہیں کہا جائے گا کہ خدا اس سے بڑا خوش ہے بلکہ یہی کہا جائے گا کہ یا تو ناراض ہے اور یا کوئی ہے ہی نہیں۔ ورنہ کیا وجہ ہے کہ موجود ہو اور خوش بھی ہو لیکن جواب نہ دے۔ امریکہ میں ایک انگریز ہؤا ہے اس نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں وہ لکھتا ہے کہ اگر کوئی خدا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ دنیا مصائب اور آلام' دکھ اور تکالیف سے تباہ اور برباد ہو رہی ہے مگر وہ اس کے بچانے کے لئے آگے نہیں بڑھتا۔ ایک ماں باپ جب دیکھتے ہیں کہ بچہ کو کوئی تکلیف ہے تو وہ ہمہ تن اس کے دور کرنے کی کوشش کرنی شروع کر دیتے ہیں۔ لیکن خدا کو تو ماں باپ سے بھی زیادہ اپنے بندوں سے محبت اور الفت ہے وہ کیوں ان کے بچانے کی کوئی صورت نہیں کرتا۔ اور ان کو ایسی ترکیب نہیں بتاتا جس سے وہ ہلاک نہ ہوں۔ اس سے معلوم ہؤا کہ خدا کا انسانوں سے کوئی تعلق اور واسطہ ہی نہیں ہے۔ پھر وہ کہتا ہے اچھا اگر یہ مان لیا جائے۔ کہ سارے کے سارے انسان اس قابل نہیں کہ خدا ان سے تعلق رکھے تو پھر ساری دنیا میں کوئی تو ایسا انسان ہونا چاہئے جس سے تعلق ہو۔ لیکن کوئی بھی نظر نہیں آتا۔ اس لئے معلوم ہؤا کہ کوئی خدا ہی نہیں ہے۔

یہ اس نے کیوں کہا؟ اس لئے کہ انسان کی فطرت گواہی دیتی ہے کہ خدا اس سے کلام کرے اور اسے اپنا مقرب بنائے۔

مگر اس فطرتی تقاضا کو سوائے اسلام کے اور کوئی مذہب پورا نہیں کرتا۔ قرآن ہی کہتا ہے۔ کہ جب انسان میں اعلیٰ اخلاق پیدا ہو جائیں اور وہ بدیوں سے دور ہو جائے تو اسے خدا تک لے جایا جاتا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت: ۷۰) کہ ہمارے راستہ میں جو کوئی کوشش اور سعی کرتا ہے اس کو ہم ان راستوں پر چلاتے ہیں جن پر چل کر وہ ہم تک پہنچ جاتا ہے۔ تو اسلام اس بات کا مدعی ہے کہ اسی دنیا میں مؤمن کے لئے ایسے سامان پیدا کر دیتا ہے کہ جن سے اسے اللہ کی محبت اور قرب حاصل ہو سکتا ہے۔ اور اسی کے حاصل کرنے کی انسان کو ضرورت ہے۔ اس لئے اسلام ہی اس قابل ہے کہ قبول کیا جائے۔

میں ایک ایسی قوم سے تعلق رکھتا ہوں جو ابتدائے اسلام کے وقت مسلمان نہیں ہوئی بلکہ

بعد میں آکر ہوئی ہے۔ اس لئے ہم نے اسلام اس لئے قبول نہیں کیا کہ ہمارا آبائی مذہب ہے۔ بلکہ ہماری غرض تو یہ ہے کہ جس میں خدا مل جائے اسے قبول کیا جائے۔ ہم تو اس کے لئے تیار ہیں کہ اگر ثابت کر دیا جائے کہ کوئی اور ایسا مذہب ہے جس میں خدا ملتا ہے تو اسی کو اختیار کر لیں۔ لیکن اسلام کے سوا اور کوئی ایسا دین نہیں ہے جس میں یہ بات حاصل ہو سکے۔ یہ صرف اسلام ہی کا دعویٰ ہے کہ وہ خدا تعالیٰ سے ملا دیتا ہے۔ اور اس کا زندہ ثبوت بھی پیش کرتا ہے اس لئے یہی زندہ مذہب ہے۔

گذشتہ واقعات کو جانے دو کہ ہر ایک مذہب والا اپنے مذہب کی صداقت ظاہر کرنے کے لئے اسی قسم کے واقعات سنانے کے لئے تیار ہے۔ اگر ہم کہیں کہ رسول کریم ﷺ کے دشمن تباہ و برباد ہو گئے اور آپؐ کامیاب و بامراد بن گئے تو دوسرے کہہ دیں گے کہ یہ کونسی بڑی بات ہے۔ ہمارے بزرگوں نے تھوڑی سی دیر میں ایک ہاتھ سے اپنے سارے دشمنوں کو تباہ کر دیا تھا۔ یا اگر ہم کہیں کہ ایسے موقعہ پر جہاں ظاہری سامان بالکل مخالف تھے خدا نے آنحضرت ﷺ کی وجہ سے بہت بڑی کامیابی عطا کی تو اس سے بڑھ کر سنا دیں گے۔ اس لئے اس قسم کی باتوں سے صاف طور پر فیصلہ نہیں ہو سکتا کہ کون سا مذہب زندہ ہے۔ اس لئے ہم یہ بتائیں گے کہ آج بھی اسلام میں وہ طاقت اور ہمت ہے جو پہلے تھی اور جب یہ ثابت ہو گیا تو یہ بھی ثابت ہو جائے گا کہ یہی زندہ مذہب ہے۔

اسلام کے زندہ مذہب ہونے کا ثبوت

پس میں اس وقت اسلام کے زندہ ہونے کا ثبوت پیش کروں گا۔ اس زمانہ میں خدا تعالیٰ نے اسلام کی صداقت اور زندگی ظاہر کرنے کے لئے ایک انسان کو بھیجا جس کے ہم مرید اور ماننے والے ہیں۔ اور عقیدہ رکھتے ہیں کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کے بتائے ہوئے احکام پر عمل کرکے وہ درجہ حاصل کرلیا جو خدا تعالیٰ اپنے پیارے اور محبوب بندوں کو دیا کرتا ہے۔ اور انہوں نے خدا تعالیٰ سے ایسا تعلق پیدا کر لیا کہ خدا نے ان سے کلام کیا۔ اور ایسے صاف اور بین طور پر کلام کیا کہ کوئی عقلمند اور سمجھدار انسان اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ دیکھئے کوئی بڑے سے بڑا فلسفی اور بڑے سے بڑا قیافہ شناس یہ نہیں بتا سکتا کہ کل کیا ہو گا۔ لیکن ہمارے مرشد اور مقتدا حضرت مرزا صاحبؑ ایسے گزرے ہیں کہ جنہوں نے کئی سال پہلے بتا دیا کہ ایسا ہو گا چنانچہ ویسا ہی ہوُا۔

حضرت مرزا صاحب کی صداقت کا پہلا نشان

اکثر لوگ جانتے ہیں کہ ایک زمانہ آپ پر ایسا گزرا کہ آپ کے گاؤں کے لوگ بھی آپ کو نہ جانتے تھے اور آپ کے نام تک سے واقف نہ تھے کیونکہ آپ ایک حجرہ میں اکیلے رہتے تھے۔ پھر آپ چار سال سیالکوٹ میں رہے ہیں وہاں بھی چند ہی لوگ آپ کو جاننے والے تھے کیونکہ آپ وہاں اکیلے ہی رہتے تھے اور بہت کم لوگوں سے تعلق رکھتے تھے۔ کبھی کسی سنجیدہ اور متین آریہ یا عیسائی سے مذہبی گفتگو کرنے کے لئے چلے جاتے تھے۔ اور کوئی پندرہ یا بیس کے قریب آدمی تھے جو سیالکوٹ میں آپ کو جانتے تھے۔ آج کل لاء کالج لاہور کے جو پرنسپل ہیں ان کے والد لالہ بھیم سین صاحب آپ کے ساتھ اکثر ملتے جلتے رہتے تھے۔ ان کی شہادت ہے کہ آپ بالکل علیحدہ اور تنہائی میں رہتے تھے اور محویت کا یہ عالم تھا کہ جس سڑک پر متواتر چھ چھ ماہ گزرتے اس کو بھول جاتے کیونکہ آپ نیچی نظر کر کے چلا کرتے تھے۔ ایسی گمنامی کی حالت میں آپ نے اعلان کیا تھا اور خدا سے الہام پا کر کیا تھا کہ یَأْتِیْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ (تذکرہ صفحہ ۷۵۲) وہ وقت آگیا ہے جب کہ دنیا میں تیری شہرت کی جائے اور تیرے نام کو روشن کیا جائے۔ اس وقت دور دور سے تمہارے پاس چیزیں آئیں گی اور اس کثرت سے آئیں گی کہ رستے گھس جائیں گے ان میں گڑھے پڑ جائیں گے۔ پھر کہا گیا تھا۔ یَأْتِیْکَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ (تذکرہ صفحہ ۲۰۱) دور دور سے تیرے پاس لوگ آئیں گے اور ان کے آنے کی کثرت سے راستوں میں گڑے پڑ جائیں گے۔

یہ کتنا بڑا دعویٰ ہے۔ کوئی انسان نہیں کہہ سکتا کہ کل تک میں زندہ بھی رہوں گا یا نہیں چہ جائیکہ وہ کہے کہ مجھے ایک بہت بڑی جماعت دی جائے گی اور اس قدر کامیابی ہو گی کہ میرا نام ساری دنیا میں پھیل جائے گا اور اگر ایسا نہ ہوا تو میں اسلام کو جھوٹا مذہب مان لوں گا۔ ہو سکتا ہے کہ ایک شریر انسان یونہی بڑ مار دے کہ میں دس من بوجھ اٹھالوں گا لیکن یہ کبھی نہیں کہے گا کہ اگر میں نہ اٹھاسکوں تو میرا گھر بار ضبط کر لیا جائے۔ تو ایک ایسے دعوے کے متعلق کوئی انسان شرط نہیں لگا سکتا جس کے صحیح اور درست ہونے میں اسے پورا پورا یقین نہ ہو۔ مگر حضرت مرزا صاحب نے صرف یہی اعلان نہیں کیا کہ ایسا ہو گا۔ بلکہ یہ بھی کہا کہ اگر ایسا نہ ہوا تو مجھے جھوٹا اور کذاب سمجھا جائے اور کچھ وقعت نہ دی جاوے۔

اب یہ ایک ایسا دعویٰ ہے کہ جس کے پورا نہ ہونے پر ایک انسان اپنی عزت اور وقار

کھونے کے لئے تیار ہے۔ لیکن اتنی جرأت سوائے اس کے اور کوئی نہیں کر سکتا جسے اپنے دعوے پر پورا پورا یقین ہو۔ چنانچہ دعویٰ پورا ہؤا اور آپ کو ایسی شہرت حاصل ہوئی کہ دنیا کے دور دراز حصوں سے آپ کے ملنے کے لئے لوگ آئے حتّٰی کہ آپ کی وفات سے ایک سال پہلے امریکہ سے تین آدمی آئے۔ ان میں سے ایک نے سوال کیا کہ آپ مسیح ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں مسیح تو معجزے دکھایا کرتا تھا آپ کیا معجزہ دکھاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میرے معجزے کو دیکھنے کے لئے کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں تم خود ہی میرا معجزہ ہو۔ اس پر اس نے کہا یہ کس طرح۔ آپ نے فرمایا دیکھئے اس وقت جب کہ قادیان سے چل کر بھی لوگ میرے پاس نہ آتے تھے اس وقت میں نے اعلان کیا تھا کہ میرا نام دنیا میں مشہور کیا جاوے گا اور دور دور سے لوگ مجھے ملنے کے لئے آئیں گے۔ اب بتائیے آپ نے میرا نام امریکہ میں سنا یا نہیں اور میرے ملنے کے لئے آئے یا نہیں۔ یہ سن کر وہ خاموش ہو گیا۔

تو اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں اسلام کی زندگی کے ثبوت میں حضرت مرزا صاحب کو پیش کیا ہے۔ اور اس کی دلیل یہ دی ہے کہ حضرت مرزا صاحب سے ان قوانین اور احکام پر چلنے کی وجہ سے جو اسلام نے بتائے ہیں خدا نے وعدہ کیا تھا کہ میں تجھے اتنی عزت دوں گا کہ تیرا نام ساری دنیا میں پھیل جائے گا۔ اور لوگ دور دور سے تیرے پاس آئیں گے۔ چنانچہ اس وعدہ کے بعد بیس ہی سال میں خدا تعالیٰ نے آپ کو ایسی شہرت دی کہ دور دراز ممالک سے لوگ آپ کا پتہ صرف یہ لکھتے کہ "انڈیا مرزا غلام احمد" تو آپ کو خط پہنچ جاتے۔ پھر دنیا کے چاروں کونوں سے لوگ آپ کے ملنے کے لئے آئے۔ اور وہی لوگ جو انسانوں کو قتل کر دینا بہت معمولی بات سمجھتے تھے آپ کے پاس آئے۔ اور آپ کی بیعت میں داخل ہو کر باخدا انسان بن گئے۔ ہمارے ایک وہابی دوست سناتے تھے کہ میں ایک دفعہ سرحد کی طرف گیا تو ایک پٹھان کھیتی کرتا ہؤا ملا۔ میں نے اسے السلام علیکم کہا۔ اس کا اس نے جواب تو کوئی نہ دیا مگر کام چھوڑ کر ایک طرف کو بھاگ کھڑا ہؤا۔ دوسرے نے مجھے بتایا کہ یہاں سے جلدی چلے جاؤ وہ تمہارے مارنے کے لئے بندوق لینے گیا ہے۔ تو یہ ان لوگوں کی حالت تھی۔ اکثر تو دین سے ایسے ناواقف تھے کہ کلمہ تک نہیں پڑھ سکتے تھے۔ مشہور ہے کہ ایک دفعہ ایک ہندو کو کسی پٹھان نے پکڑ لیا اور کہا مسلمان ہو جا ورنہ جان سے مار ڈالوں گا۔ پہلے تو اس نے انکار کیا۔ لیکن جب دیکھا کہ جان کی خیر نہیں تو کہا میں مسلمان ہوتا ہوں مجھے کلمہ پڑھاؤ۔ اس نے کہا تم خود ہی پڑھو ہندو نے

کہا مجھے تو نہیں آتا۔ اس پر پٹھان نے یہ کہہ کر کہ تمہاری قسمت ہی خراب ہے کلمہ مجھے بھی نہیں آتا چھوڑ دیا اور وہ چلا گیا۔ تو اس علاقہ کے لوگ اس قسم کے ہیں۔ مگر خداتعالیٰ نے انہیں کو جو قتل و غارت، لڑائی و جھگڑے، شرارت و فتنہ میں لگے رہتے تھے لاکر حضرت مرزا صاحب کے آگے ڈال دیا۔ اور صرف ڈال ہی نہیں دیا۔ بلکہ ان کی بہت بڑی اصلاح بھی ہو گئی۔ کیونکہ حضرت مرزا صاحب کوئی اس قسم کے پیر نہ تھے جیسے آج کل کے مسلمانوں کے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہماری بیعت کر کے ہمارا نذرانہ ادا کردو پھر جو تمہارا جی چاہے کرتے پھرو سب کچھ تمہیں معاف ہے۔ چنانچہ حضرت مولوی نورالدین صاحب جو حضرت مرزا صاحب کے پہلے خلیفہ تھے۔ ان کے ہاں ان کی بہن آئی تو انہوں نے کہا کہ تم اپنے پیر سے جاکر پوچھنا کہ تمہاری بیعت کرنے سے کیا فائدہ ہے۔ جب اس نے واپس جاکر پیر صاحب سے یہ سوال کیا تو پہلے تو انہوں نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے نورالدین نے تمہیں یہ سوال سکھایا ہے اس لئے اس کا جواب دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ مگر بتا دیتا ہوں ہماری بیعت کرنے کا یہ فائدہ ہے کہ بیعت کے بعد جو تمہاری مرضی ہو وہ کرو۔ قیامت کے دن ہم جب کہہ دیں گے کہ یہ ہمارے مرید ہیں۔ تو پھر کوئی نہیں پوچھے گا اور تم سیدھی جنت میں چلی جاؤ گی۔

تو اس قسم کی بیعتیں ہیں جو مسلمانوں کے پیر کراتے ہیں۔ مگر حضرت مرزا صاحب کی بیعت ایسی نہ تھی۔ اس میں شرط تھی کہ ہر قسم کی بدکاری، شرارت، حسد، کینہ، بغض، چوری وغیرہ افعال بد سے بچنا ہو گا۔ قرآن کریم کے کسی چھوٹے سے چھوٹے حکم کو نہیں توڑنا ہو گا۔ قتل و غارت، لوٹ مار وغیرہ برائیوں کو چھوڑنا ہو گا۔ خدا کی عبادت سچے دل اور کامل فرمانبرداری سے کرنی ہوگی۔ خدا کی مخلوق کے ساتھ محبت اور الفت سے پیش آنا ہو گا۔ غریبوں، مسکینوں اور محتاجوں کی مدد کرنی ہوگی۔ اپنی زبان یا ہاتھ سے خدا کی کسی مخلوق کو تکلیف نہیں پہنچانی ہوگی۔ ہر برے فعل سے بچنے اور اچھے عمل کرنے کے لئے تیار رہنا ہو گا۔ یہ وہ شرائط ہیں جو حضرت مرزا صاحب اپنے ہاتھ پر بیعت کرنے والے سے پوری کراتے تھے۔ لیکن باوجود ان کے موجودہ زمانہ کے لحاظ سے اس قدر مشکل اور کٹھن ہونے کے جب ان لوگوں نے جنہیں وحشی اور جاہل سمجھا جاتا تھا آپ کی بیعت کی تو انسان بن گئے۔ خود قرآن کریم پڑھا اور دوسروں کو سکھایا۔ کیا یہ حضرت مرزا صاحب کی صداقت کا معمولی نشان ہے۔ پھر ہر علاقہ اور ہر ملک سے لوگ کھینچ کھینچ کر آپ کے پاس لائے گئے اور اس کثرت کے ساتھ لائے گئے کہ جن

راستوں پر سے آئے وہ گھس گئے۔ آپ میں سے جو لوگ قادیان گئے ہیں انہوں نے دیکھا ہوگا کہ بٹالہ سے قادیان تک کی سڑک پر لوگوں کی کثرت آمدورفت کی وجہ سے کتنے کتنے بڑے گڑھے پڑ جاتے ہیں حالانکہ ہر سال ہزاروں روپوؤں کی مٹی گورنمنٹ ڈلواتی ہے۔ تو یہ حضرت مرزا صاحب کی پیش گوئی پوری ہو رہی ہے جو آپ نے اس وقت کی تھی جب کہ آپ کو کوئی جانتا بھی نہ تھا۔ پس اس پیش گوئی نے پورا ہو کر ثابت کر دیا کہ اسلام ایک زندہ مذہب ہے۔

حضرت مرزا صاحب کی صداقت کا دوسرا نشان

پھر حضرت مرزا صاحب کی صداقت کا ایک اور نشان دیکھئے۔ طاعون جس نے ہندوستان کے علاقوں کے علاقے تباہ و برباد کر دیئے ہیں۔ اس کے ہندوستان میں آنے سے پندرہ سال پہلے حضرت مرزا صاحب نے خبر دی تھی۔ پھر تین سال پہلے بہت کھول کر بتا دیا تھا کہ اپنی اصلاح کر لو ورنہ اس سے تباہ ہو جاؤ گے۔

پھر جب بمبئی میں پہلے پہل پھوٹی تو آپ نے بتایا کہ اب بھی موقع ہے کہ اصلاح کر لو ورنہ تمام ملک میں پھیل جائے گی۔ پھر جب جالندھر میں نمودار ہوئی تب آپ نے اس سے محفوظ رہنے کی ترکیب بتائی لیکن لوگوں نے توجہ نہ کی۔ جس کا نتیجہ جو کچھ ہُوا وہ ظاہر ہی ہے اس کے بعد ایسے ایسے خطرناک حملے ہوئے اور ہو رہے ہیں کہ علاقوں کے علاقے تباہ وبرباد ہو گئے ہیں۔ اور بیس سال کے قریب اس کو آئے ہوئے ہو گئے ہیں۔ مگر ابھی تک جانے کا نام نہیں لیتی۔ یہ بھی ایک بہت بڑا ثبوت ہے حضرت مرزا صاحب کی صداقت کا۔ اور جب آپ کی صداقت ثابت ہو گئی تو ساتھ ہی یہ بھی ثابت ہو گیا کہ اسلام زندہ مذہب ہے کیونکہ اسی پر چل کر آپ نے یہ مرتبہ حاصل کیا۔

حضرت مرزا صاحب کی صداقت کا تیسرا نشان

پھر ۱۹۰۵ء میں جو خطرناک زلزلہ آیا ہے اور جس سے بہت زیادہ جان و مال کا نقصان ہُوا ہے۔ بڑی بڑی عمارتیں گری ہیں اور بیس ہزار انسان صرف ہندوستان میں ہی ہلاک ہوئے ہیں۔ اس کے آنے کی خبر بھی حضرت مرزا صاحب نے پیشتر سے دی ہوئی تھی۔ اس کے متعلق انسائیکلو پیڈیا آف برٹینیکا میں لکھا ہے کہ آج تک اس سے زیادہ سخت زلزلہ کبھی نہیں آیا۔ اسی طرح حضرت مرزا صاحب نے کہا تھا کہ میں نے دنیا کو اسلام کے زندہ مذہب

ہونے کا ثبوت دے دیا ہے۔ اگر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا تو اس کی سزا میں ایسے زلزلے آئیں گے کہ جن کی نظیر پہلے کسی زمانہ میں نہیں ملے گی۔ دیکھئے کتنا بڑا دعویٰ ہے یہ تو ہو سکتا ہے کہ کوئی کہہ دے کہ زلزلے آئیں گے کیونکہ آتے ہی رہتے ہیں۔ لیکن مرزا صاحب نے یہ نہیں کہا بلکہ ساتھ یہ شرط بھی لگا دی ہے کہ ایسے خطرناک اور اس کثرت سے آئیں گے کہ دنیا میں ان کی مثال نہیں پائی جائے گی۔ چنانچہ انسائیکلوپیڈیا آف برٹینیکا کے ۱۹۱۲ء کے ایڈیشن میں تمام ان زلزلوں کی فہرست دی گئی ہے جو ۱۹۱۲ء تک آئے۔ جس سے یہ عجیب بات معلوم ہوتی ہے کہ ۱۶۰۰ء سے لے کر ۱۹۰۰ء تک جتنے زلزلے ساری دنیا میں آئے ہیں ان میں ہلاک ہونے والوں کی تعداد حضرت مرزا صاحب کی اس پیشگوئی سے لے کر ۱۹۱۲ء تک کے زلزلوں سے مرنے والوں کی نسبت بہت تھوڑی بنتی ہے۔ اور اس بارہ سال کے عرصہ میں پہلے تین سو سال کی مدت کی نسبت زلزلوں کی تعداد بھی زیادہ ہے۔ اور ان میں ہلاک ہونے والے زیادہ ہیں۔ اب جو شخص ذرا بھی غور و فکر سے کام لے۔ اسے معلوم ہو سکتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب کی یہ پیش گوئی کوئی ڈھکوسلا نہ تھی۔ اور نہ کسی انسان کی طاقت ہے کہ ایسی بات بتا سکے۔ یہ محض خدا تعالیٰ کا فعل ہے جو حضرت مرزا صاحب کے ذریعہ ظاہر ہوا۔ اور اسلام کے زندہ مذہب ہونے کا ثبوت قرار پایا۔ کیونکہ اس سے پتہ لگتا ہے کہ اسلام میں ایسے لوگ ہوتے رہتے ہیں جو خدا تعالیٰ سے تعلق رکھتے اور خدا ان سے کلام کرتا ہے۔ پس یہی مذہب اس قابل ہے کہ انسان قبول کرے۔

قابلِ قبول مذہب

دیکھئے کوئی انسان یہ پسند نہیں کرتا کہ اپنے باغ میں کوئی ایسا پودا رہنے دے جس کا کوئی فائدہ نہ ہو یا جو کڑوے پھل لاوے۔ اسی طرح کسی عقلمند انسان کو وہ مذہب قبول نہیں کرنا چاہئے جس سے فائدہ نہ ہو یا جس کا نتیجہ تلخ نکلتا ہو۔ بلکہ اسی کو اختیار کرے جس کا کوئی فائدہ ہو۔ اور ایسا مذہب اس وقت سوائے اسلام کے اور کوئی نہیں ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ ان مذاہب میں بھی پہلے ایسے لوگ ہوئے ہیں جو خدا کے نبی اور پیارے تھے۔ مثلاً رام، کرشن وغیرہ اور عیسائیت میں بھی ہوئے ہیں۔ مگر اب سوائے اسلام کے اور کسی میں یہ بات باقی نہیں ہے کہ خدا سے تعلق کرا سکے۔ دیگر مذاہب کی بنیاد قصہ کہانیوں پر ہے۔ لیکن اسلام اپنی صداقت کے ثبوت میں گذشتہ روایات کو ہی پیش نہیں کرتا بلکہ مشاہدات پیش کرتا ہے۔ اس لئے بھی قابل قبول ہے۔ دیکھئے کوئی فقیر اس گھر پر کچھ مانگنے

کے لئے نہیں جائے گا جہاں کسی زمانہ میں کروڑوں کروڑ روپے ملتے ہوں مگر اب کچھ نہ حاصل ہوتا ہو۔ لیکن اس کے بجائے اس گھر پر چلا جائے گا جہاں اسے آج ایک پیسہ ملنے کی امید ہو۔ پس وہ مذہب جو کسی زمانہ میں دیتے تھے خواہ وہ کتنا زیادہ ہی دیتے تھے۔ لیکن اب نہیں دیتے ان کا تو نام ہی نہیں لینا چاہئے۔ کیونکہ ہمیں تو ایک ایسے مذہب کی ضرورت ہے جو آج دے اور ہمارے موجودہ درد کی دوا کرے۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

ابن مریم ہُوا کرے کوئی
میرے دل کی دوا کرے کوئی

پس ہمیں تو اس وقت ضرورت ہے۔ ورنہ یہ تو ہم تسلیم کرتے ہیں کہ دوسرے مذاہب بھی کسی وقت زندہ تھے۔ ان میں بھی خدا کے پیارے اور محبوب لوگ ہوئے۔ ان پر چلنے والے بھی خدا سے کلام کرتے تھے۔ اور ان میں بھی نبی اور رسول بھیجے گئے۔ کیونکہ قرآن کریم کہتا ہے کہ اِنْ مِّنْ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیْھَا نَذِیْرٌ (فاطر: ۲۵) کہ کوئی امت ایسی نہیں گزری جس میں ہم نے نذیر نہ بھیجا ہو۔ اس لئے عیسوی، موسوی، زرتشی وغیرہ سب مذاہب زندہ تھے۔ مگر اپنے اپنے وقت میں جب ان کا وقت گزر گیا تو وہ مردہ ہو گئے۔ اور ہمیں آج کسی مردہ مذہب کی ضرورت نہیں بلکہ زندہ کی ہے۔ اور وہ اسلام ہی ہے۔

حضرت مرزا صاحب کی صداقت کا چوتھا نشان

پھر حضرت مرزا صاحب کی اور کئی ایک پیش گوئیاں ہیں جو نہایت صفائی کے ساتھ پوری ہوئیں۔ جب بنگالہ کی تقسیم ہوئی اور اس پر بڑا شور پڑا۔ میموریل بھیجے گئے، سٹرائیکس ہوئیں، فساد ہوئے۔ مگر گورنمنٹ نے ایک نہ مانی اور صاف جواب دے دیا کہ اس حکم کو بدلا نہیں جا سکتا۔ ایسے وقت میں جب کہ بنگالیوں کو یہ جواب مل چکا تھا اور وہ مایوس ہو چکے تھے۔ تو حضرت مرزا صاحب نے اپنی یہ پیش گوئی شائع کی کہ "پہلے بنگالہ کی نسبت جو کچھ حکم جاری کیا گیا تھا اب ان کی دلجوئی ہوگی" (تذکرہ صفحہ ۵۹۶) جب یہ پیش گوئی شائع ہوئی تو اور تو اور بنگالی اخباروں نے بھی اس پر ہنسی اڑائی۔ اور لکھا کہ ہمیں تو صاف جواب مل گیا ہے مگر یہ کہتے ہیں کہ دلجوئی ہوگی۔ اس کے علاوہ پنجاب کے اخباروں نے ہنسی اڑائی اور لکھا کہ مرزا صاحب پہلے تو صرف نبوت کا دعویٰ کرتے تھے اب سیاست دان بھی بننے لگے ہیں۔ مگر لوگوں کی یہ ہنسی اور مخالفت ثبوت تھا اس بات کا کہ کسی انسان کے وہم و قیاس میں بھی نہیں

آسکتا تھا کہ ایسا ہو گا۔ اور انسان کے نزدیک اس حکم کو بدلنا بالکل ناممکن تھا۔ لیکن ہمارے مکرم معظم بادشاہ سلامت ولایت سے چل کر یہاں ہندوستان میں آئے اور ان کے ہاتھوں یہ پیش گوئی پوری ہوئی اور اپنے الفاظ میں پوری ہوئی۔ یعنی نہ تو بنگالیوں کی خواہش کو ان کی مرضی کے مطابق پورا کیا گیا اور نہ ہی انہیں مایوس رکھا گیا۔ بلکہ دلجوئی کر دی گئی اور وہ اس طرح کہ مشرقی بنگال کو تو ساتھ ملا دیا گیا مگر صوبہ بہار کو جدا کر دیا گیا۔ تو یہ ثبوت تھا اس بات کا کہ اسلام زندہ مذہب ہے اور اس پر چلنے والوں کو خدا قبل از وقت خبر دیتا ہے۔ اور ان سے کلام کرتا ہے اور اپنی زندگی کے ثبوت اب بھی پیش کرتا ہے۔

زندہ مذہب کا ایک اور ثبوت

کسی مذہب کے زندہ ہونے کا ایک اور بھی ثبوت ہے اور وہ یہ کہ اس پر چلنے والوں کو خدا کی نصرت اور تائید حاصل ہو۔ دیکھئے جس کو کسی سے محبت ہو یا جس چیز سے پیار ہو وہ اس کی مدد کرتا ہے۔ حتیٰ کہ اس کی خاطر جان تک دے دیتا ہے۔ بچہ کو اگر کوئی مارے تو ماں باپ کو بہت سخت تکلیف پہنچتی ہے۔ یہی حال اور تعلقات کا ہے اور جس قدر انسان کو کسی سے زیادہ تعلق ہوتا ہے اسی قدر زیادہ وہ اس کی مدد اور تائید کی کوشش کرتا ہے۔ تو محبت پیار اور تعلق کی کچھ علامتیں ہوتی ہیں۔ جن سے دوسروں کو اس کا پتہ لگتا ہے۔ قرآن کریم میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (المؤمن: ۵۲) کہ جن کو ہم سے تعلق اور محبت ہوتی ہے ان کی ہم اسی دنیا میں مدد اور تائید کرتے ہیں۔ اس کے متعلق دوسرے مذاہب صرف قصے اور کہانیاں پیش کرتے اور کہتے ہیں کہ فلاں کے ساتھ خدا کی محبت تھی اور اس کی اس نے اس طرح مدد کی تھی۔ اس کے دشمنوں کو ہلاک و تباہ کیا اور اسے کامیابی عطا کی تھی۔ مگر ہم کہتے ہیں اس زمانہ میں تمہارے پاس خدا کی محبت کا کیا ثبوت ہے؟ اس کا جواب کوئی مذہب پیش نہیں کر سکتا اور صرف قصے پیش کرتا ہے مگر ہم قصوں کو کیا کریں۔ اس وقت جو مذہب ایک بھی ایسا آدمی نہیں پیدا کر سکتا جس کی خدا مدد کرتا ہو، جس سے اپنی محبت کا ثبوت دیتا ہو تو اس مذہب کا کیا فائدہ اور اس کے زندہ ہونے کا کیا ثبوت۔ مگر اسلام ہر زمانہ میں ایسے انسان پیدا کرتا رہا ہے اور اس زمانہ میں حضرت مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود علیہ السلام کو پیدا کیا ہے اور خدا تعالیٰ نے ان کی تائید اور نصرت کر کے بتا دیا ہے کہ خدا کا ان سے تعلق تھا۔ کوئی کہے کہ وہ تو فوت ہو گئے ہیں اب اس کا کیا ثبوت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم

اپنے رسولوں اور نبیوں ہی کی مدد نہیں کرتے بلکہ جو ان کے ماننے والے ہوتے ہیں ان کی بھی مدد کرتے ہیں۔ اس لئے اب ان کی جماعت موجود ہے جن سے خدا تعالیٰ اپنی محبت اور پیار کا ثبوت دے رہا ہے۔ اور اپنی مدد اور نصرت سے ہی ہر میدان میں کامیاب کرتا اور اس کے مخالفوں کو ذلیل و خوار کرتا ہے۔

حضرت مرزا صاحب کے لئے خدا تعالیٰ نے ایسے ایسے نشانات دکھلائے کہ جن کو دیکھ کر اسلام کے زندہ مذہب ہونے کا بہت بڑا ثبوت ملتا ہے۔ جب آپ نے دعویٰ کیا تو ساری دنیا نے مل کر آپ کی مخالفت میں زور لگایا۔ مگر آپ کے مخالفین ہر کوشش اور سعی میں ناکام اور نامراد رہے۔ اور آپ کے ساتھ نصرت اور تائید رہی۔ یہ ثبوت تھا اس بات کا کہ خدا کے پیارے اور محبوب بندوں کو خدا سے نصرت آتی ہے۔

دوستی اور محبت اس کو کہتے ہیں کہ دونوں میں ایسا تعلق ہو کہ ایک دوسرے کی بات مانیں۔ پس زندہ مذہب کا یہ بھی ایک ثبوت ہے کہ اس مذہب میں ایسے لوگ موجود ہوں جن کی باتیں خدا تعالیٰ مانے اور ایسے حالات میں مانے جب کہ ظاہری اسباب بالکل مخالف ہوں۔ اور یہ اس طرح کہ ان کی دعائیں قبول ہوتی ہوں اور یہ بات اسلام کے پیروان کو نصیب ہے۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ خدا تعالیٰ دوسرے مذاہب کے پیروان کی دعائیں نہیں سنتا۔ خدا تعالیٰ تنگ دل نہیں کہ وہ سوائے ایک قوم کے باقی سب کی دعاؤں کو رد کر دے۔ اسلام خدا تعالیٰ کے متعلق بہت وسعت کی تعلیم دیتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (البقرہ: ۱۸۷) کہ جب میرے بندے میرے متعلق سوال کریں تو ان کو کہہ دو کہ میں قریب ہی ہوں۔ اور پکارنے والے کی دعاؤں کو سنتا ہوں "پکارنے والے" کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ خدا تعالیٰ صرف مسلمانوں ہی کی دعائیں نہیں سنتا بلکہ خواہ کوئی ہندو ہو یا عیسائی، سکھ ہو یا آریہ کوئی ہو جب وہ خدا کے حضور گڑگڑائے اور اپنی حالت زار پیش کر کے مدد چاہے تو خدا اس کی سنتا اور قبول کرتا ہے۔ پس یہاں دعا کے قبول ہونے کے متعلق بیان کرنے سے میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ مسلمانوں کے سوا اور کسی انسان کی دعا سنتا ہی نہیں بلکہ یہ مراد ہے کہ خدا تعالیٰ ایک سچے مسلمان کی دعائیں دوسرے لوگوں کی نسبت بہت زیادہ سنتا ہے۔ جس طرح کہ ایک سخی انسان گو اپنی سخاوت سے سب کو نفع پہنچاتا ہے مگر اس کے دوست اس سے بہت زیادہ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ

فرق بھی ہے کہ جہاں ایک مسلمان اور غیر مسلمان میں مقابلہ ہو وہاں وہ مسلمان ہی کی سنے گا اور اس کے مقابلہ میں اگر ساری دنیا بھی کھڑی ہو جائے تو بھی ان کی دعا قبول نہ کرے گا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ نے ساری دنیا کو چیلنج دیا مگر آج تک اسے قبول کرنے کی کسی کو جرأت نہ ہوئی۔ آپ نے کہا تھا کہ میں اسلام کی صداقت ثابت کرنے کے لئے کھڑا ہؤا ہوں۔ اس لئے دوسرے مذاہب والے جن کو اپنا اپنا مذہب سچا ہونے کا دعویٰ ہے آئیں اور مجھ سے مقابلہ کریں۔ اور وہ اس طرح کہ کچھ ایسے مریض لئے جائیں جن کی بیماری نہایت خطرناک ہو اور ان کو قرعہ کے ذریعہ تقسیم کرلیا جائے اس کے بعد ان کی صحت کے لئے دعا کی جائے اور پھر دیکھا جائے کہ کس کی دعا خدا قبول کرتا ہے اور کس کی رد۔ یعنی کس کی دعا سے زیادہ مریض اچھے ہوتے ہیں اور کس کی سے نہیں۔ اگر میری دعا سے زیادہ مریض اچھے ہو گئے تو معلوم ہو جائے گا کہ اسلام ہی زندہ مذہب ہے کیونکہ میں اسی پر چلتا ہوں اور اگر اس کے مقابلہ پر کسی اور مذہب کے پیرو کی دعا سے زیادہ اچھے ہو گئے تو وہی زندہ مذہب ثابت ہو جائے گا۔

لیکن آج تک اس مقابلہ کے لئے کوئی نہیں آیا حتیٰ کہ عیسائیوں کو حضرت مرزا صاحب نے بار بار اور کئی طریق سے اس طرف بلایا اور کہا کہ تمہاری کتاب میں تو لکھا ہے کہ اگر تم میں رائی کے برابر بھی ایمان ہو گا اور تم درخت کو کہو گے کہ چل تو وہ چل پڑے گا۔ پھر تم کیوں میرے مقابلہ پر نہیں آتے مگر وہ نہ آئے۔

جس وقت حضرت مرزا صاحب نے عیسائیوں کو بار بار مقابلہ پر بلایا۔ اس وقت پانیر میں ایک مضمون نکلا تھا کہ ہمارے پادری صاحبان جو اتنی بڑی بڑی تنخواہیں لیتے ہیں وہ آج کیوں مقابلہ کے لئے نہیں نکلتے تاکہ عیسائیت کی صداقت ثابت ہو۔ مگر پھر بھی کوئی نہ نکلا۔

چیلنج

اب آپ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ حضرت مرزا صاحب تو وفات پا چکے ہیں۔ اب کس طرح مقابلہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ آپ کا سلسلہ مٹ نہیں گیا اب بھی آپ کی جماعت موجود ہے اور ہم لوگ اس مقابلہ کے لئے تیار ہیں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ آج بھی اسلام کی صداقت ظاہر کرنے اور اپنے پیارے بندوں کی اپنے نشانات سے تائید کرنے کے لئے اسی طرح موجود ہے جس طرح آنحضرت ﷺ کے وقت قہری اور مہری نشانوں سے تائید کرنے کے لئے موجود تھا اور جس طرح آنحضرت ﷺ کے بعد آپ کے صحابہؓ کے وقت تائید کرتا رہا۔ اسی طرح حضرت مسیح موعودؑ اور آپ کے بعد ہمارے وقت میں بھی تائید کرے گا۔ اس لئے میں حضرت

مسیح موعودؑ کے بعد تمام دنیا کو چیلنج دیتا ہوں کہ اگر کوئی شخص ایسا ہے جسے اسلام کے مقابلہ میں اپنے مذہب کے سچا ہونے کا یقین ہے تو آئے اور آکر ہم سے مقابلہ کرے۔ مجھے تجربہ کے ذریعہ ثابت ہوگیا ہے کہ اسلام ہی زندہ مذہب ہے اور کوئی مذہب اس کے مقابلہ پر نہیں ٹھہر سکتا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ ہماری دعائیں سنتا اور قبول کرتا ہے۔ اور ایسے حالات میں قبول کرتا ہے جب کہ ظاہری سامان بالکل مخالف ہوتے ہیں۔ اور یہی اسلام کے زندہ مذہب ہونے کی بہت بڑی علامت ہے۔ اگر کسی کو شک و شبہ ہے تو آئے اور آزمائے۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔ اگر کوئی ایسے لوگ ہیں۔ جنہیں یقین ہے کہ ہمارا مذہب زندہ ہے تو آئیں ان کے ساتھ جو خدا کا تعلق اور محبت ہے اس کا ثبوت دیں۔ اگر خدا کو ان سے محبت ہوگی تو وہ مقابلہ میں ضرور ان کی مدد اور تائید کرے گا۔ ایک کمزور اور ناتواں انسان اپنے پیاروں کو دکھ اور تکلیف میں دیکھ کر جس قدر اس کی طاقت اور ہمت ہوتی ہے مدد کرتا ہے تو کیا انہوں نے اپنے خدا کو ایک کمزور انسان سے بھی کمزور سمجھ رکھا ہے۔ جو ان کی مدد نہیں کرے گا۔ اگر نہیں تو میں ان کو چیلنج دیتا ہوں کہ مقابلہ پر آئیں تاکہ ثابت ہو کہ خدا کس کی مدد کرتا ہے اور کس کی دعا سنتا ہے۔ آپ لوگوں کو چاہئے کہ اپنی طرف سے لوگوں کو اس مقابلہ کے لئے کھڑا کریں۔ لیکن اس کے لئے یہ نہیں ہے کہ ہر ایک کھڑا ہو کر کہہ دے کہ میں مقابلہ کرتا ہوں بلکہ ان کو مقابلہ پر آنا چاہئے جو کسی مذہب یا فرقہ کے قائم مقام ہوں۔ اس وقت دنیا کو معلوم ہو جائے گا کہ خدا کس کی دعا قبول کرتا ہے۔ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ ہماری ہی دعا قبول ہوگی۔ افسوس ہے کہ مختلف مذاہب کے بڑے لوگ اس مقابلہ پر آنے سے ڈرتے ہیں اگر وہ مقابلہ کے لئے نکلیں تو ان کو ایسی شکست نصیب ہوگی کہ پھر مقابلہ کرنے کی انہیں جرأت ہی نہ رہے گی۔

ہمارا دعویٰ ہے کہ اسلام سچا ہے اور دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے مذہب سچے ہیں۔ اس کے فیصلے کا آسان طریق یہ ہے کہ مشاہدہ کرلیا جائے کہ کون سا مذہب سچا ہے۔ اور جب مشاہدہ ہو سکتا ہے تو پھر کیوں نہ اس سے فائدہ اٹھایا جائے۔ لیکن اس میدان میں صرف اسلام ہی کھڑا رہے گا۔ اور ہم اس کا ثبوت دینے کے لئے آج بھی تیار ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اسلام ہی کی تائید کرے گا۔

اب میں اپنے مضمون کو ختم کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ وہ لوگ جن کے دل میں حق کی تڑپ ہے اور جو ضد و ہٹ پر قائم نہیں ہیں خدا تعالیٰ ان کو ہدایت کی توفیق دے۔ یہ دنیا چند

روزہ ہے آخر خدا کے حضور حاضر ہونا ہے اس لئے اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ خدا تعالیٰ کی وہ نعمت حاصل ہو جو نہ صرف اس دنیا میں کام آئے بلکہ آخرت میں بھی فائدہ دے اور وہ اسلام ہے۔